Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:7 (1969) © rasailojaraid.com

شبیّر احمد خان غوری

حدیث "لا تسبّوا الدھر"

اپنے صحیح پس منظر میں

حدیث "لا تسبّوا الدھر" میں "دھر" کو جو اللہ کہا گیا ہے، مضمون نگار نے اس کی تردید میں سب سے پہلے قبل از اسلام "دہر" یعنی زمان کے متعلق مختلف قوموں میں جو تصوّرات پائے جاتے ہیں، انہیں بیان کیا ہے۔ پہلی قسط میں اس فکری ماحول کو پیش کیا ہے، جس میں کہ اسلام مبعوث ہوا۔ مدیر

۲ اسلام کا تصوّر زمان

اسلام کا تصوّرِ زمان اس کی بنیادی تعلیم کا منطقی نتیجہ ہے۔

اسلام کی بنیادی تعلیم "توحید ربوبیت" ہے۔ اسی فریضہ کی بجا آوری کے لئے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:۔

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"۔ (ذاریات - ۵۶) میں نے جن اور آدمی اسی لئے پیدا کئے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اور اسی "دعوتِ توحید" کو لے کر تمام انبیاء سابقین مبعوث ہوئے۔

"وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون" (انبیاء - ۲۵) اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے تھے کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پس مجھی کو پوجو۔

لیکن قرآن اس بات کو محض ایک تکوینی حقیقت بنا کر ہی نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ یہ ایک تشریعی حقیقت اور ایجابی حکم ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے:۔

"یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم" (البقرہ - ۲۱) اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا۔

اس فریضہ کی بجا آوری کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں اور آخر میں خاتم النبیینؐ کے ذریعے ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دستورِ حیات عطا فرمایا جس کے اتباع سے انسان اپنی حیاتِ دنیوی اور حیاتِ اُخروی دونوں کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ اس کا نام شریعت کی اصطلاح میں "ایمان بالرسالۃ" ہے۔ اس دستورِ حیات پر عمل فرض ہے اور اس لئے انسان کو ایک دن اس فریضہ کی بجا آوری یا اس میں غفلت یا بغاوت کی جواب دہی کے لئے اللہ رب العزت کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ قرآن کہتا ہے:-

" افحسبتم انما خلقناکم عبثاً وانکم الینا لاترجعون" (مومنون - ۱۱۵)

[تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف پھر کر آنا نہیں ہے (اور آخرت میں جزاء سزا کے لئے اٹھنا نہیں ہے۔ نہیں بلکہ تمہیں عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آخرت میں ہماری طرف لوٹ کر آؤ تو تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دیں)]

اسلام کی اس بنیادی تعلیم کا نام "ایمان بالآخرۃ" ہے جس پر اعتقاد اور تیاری کے لئے قرآن بصیغۂ امر حکم دیتا ہے: "واعلموا انکم ملاقوہ"۔ جہاں تک "ایمان باللہ" اور محض اقرارِ عبودیت کا تعلق ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی فطرتِ سلیمہ سے پوچھئے۔ بلا تامل اللہ رب العزۃ کی الوہیت کا اقرار کرے گی۔ قرآن کہتا ہے:-

"ولئن سالتہم من خلق السمٰوٰت والارض وسخر الشمس والقمر لیقولن اللہ فانّٰی یوفکون"۔ (عنکبوت - ۶۱)	اور اگر تم ان سے پوچھو: کس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند تو ضرور کہیں گے: اللہ نے۔ تو کہاں اوندھے جاتے ہیں؟ (اور باوجود اس اقرار کے اللہ رب العزۃ کی توحید سے منحرف ہوتے ہیں)،

اسی طرح "ایمان بالرسالۃ" کا مسئلہ بھی زیادہ پیچیدہ نہ تھا۔ اگر معاملہ صرف ایک "دستورِ حیات" کے نافذ کرنے کا ہوتا تو بہت جلد طے ہو جاتا۔ ہر قوم میں کوئی نہ کوئی مصلح ہوتا ہی ہے۔ نبوت سے پہلے قریش میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور ہر قسم کی نزاعات میں مطاع و واجب الاقتداء سمجھے جاتے تھے نبوت کے بعد بھی قریش نے آپؐ کو بادشاہ بنانے کی پیش کش کی تھی۔ لیکن ساری پیچیدگی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ قرآن کہتا تھا بندوں کو مرنے پیچھے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا ہے اور اپنے اچھے بُرے کا بارگاہ رب العزۃ میں جواب دینا ہے۔ اس "ایمان بالآخرۃ" کی تعلیم کے ساتھ دنیا پرست مترفین خود کو راضی نہیں کر سکتے، کیونکہ محاسبۂ آخرت کا عقیدہ عناں گسیختہ لذت کوشی کی راہ میں سب سے بڑا روڑا ہے۔ آدمی صرف اسی صورت میں دل کھول کر دادِ عیش دے سکتا ہے، جب کہ اس کے دل میں حسابِ آخرت کا دغدغہ نہ ہو۔

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرب جاہلیۃ بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ ان کی لذت پرستی نے بھی "بعث بعد الموت" کے تصور کو عسیر الفہم بنا دیا تھا جیسا کہ اوپر ایک جاہلی شاعر کا قول نقل ہوا۔

مگر اس حقیقت تک ہر سلیم الفطرۃ انسان کا پہنچنا ناگزیر ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد اُخروی زندگی بھی آنے والی ہے۔ کیونکہ اگر آخرت نہیں ہے، عالم دوبارہ نہیں ہے۔ بعث بعد الموت نہیں ہے، تو پھر آخر ہماری زندگی کیا ہے، کیوں ہے اور کس کے لئے ہے؟ عاقبت فراموش مترفین عرب نے اس سنجیدہ سوال کا ایک ناقص جواب تراش لیا تھا کہ ہماری زندگی اسی حیاتِ دنیوی تک محدود ہے اور ہمیں دوبارہ زندہ ہونا نہیں ہے۔ قرآن ان کے قول کو نقل کرتا ہے :-

"وقالوا ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین۔" (انعام - ۲۹) [اور بولے وہ تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں مر کر دوبارہ اٹھنا نہیں۔]

لیکن اگر ایسا ہے تو پھر یہ ہنگامہ حیات و ممات کیوں؟ کائنات کا خلاق علیم و حکیم تو اس قسم کی عبث اور بے مقصدی رچا نہیں رچا سکتا۔ اس کا جواب یہ لوگ اس طرح دیتے تھے کہ یہ سارا ہنگامہ "بود و نابود" ایک دوسرے مؤثر کی کارفرمائی کا نتیجہ ہے، جس کا نام "دہر" ہے۔ یہ معطلۂ عرب کا کہنا تھا، جس کا تفصیلی ذکر اوپر آچکا ہے اور جو یہ کہتے تھے :-

"وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر"۔ [اور بولے وہ تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتا ہے ہمیں مگر صرف دہر و زمانہ۔]

قرآن زنادقۂ عرب کے اس عقیدہ "دہر پرستی" پر سرزنش کرتا ہے، کیونکہ

(الف) یہ آخرت کے عقیدے سے، جو اسلام کی بنیادی تعلیمات میں رکن رکین کی حیثیت رکھتا ہے، انکار کا بہانہ تھا۔

(ب) "وحدہٗ لا شریک لہ" اور "فعالٌ لما یرید" پر ایمان لانے کے بعد کسی دوسرے مؤثر کی کارفرمائی پر اعتقاد اسلام کی دعوتِ توحید کے منافی ہے۔

(ج) "زمانہ پرستی" کا عقیدہ جبر و قنوطیت کا مُورث ہے (اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے) اور یہ چیز اسلام کی معاشرتی تعلیم کے لئے سم قاتل ہے۔

لہٰذا اسلام اس "قول بالدہر" کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ زمانہ (دہر) کو "مفنی و مہلک" سمجھنے یا مؤثر فی الوجود ماننے پر سخت سرزنش کرتا ہے اور اس عقیدہ کو ژولیدگی وہم و تخییل کی پیداوار بتاتا ہے چنانچہ قرآن معطلۂ عرب کے اس "قول بالدھر" کی حکایت کے فوراً بعد اس عقیدے کی مخالفت اور اس کے معتقدین کی نادانی و جہالت کا اعلان کرتا ہے :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" ومالهم بذالك من علمان هم الا يظنون" (جاثیہ - ۲۴) [اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور انہیں اس کا کوئی علم نہیں (یعنی وہ یہ بات بے علمی سے کہتے ہیں) اور وہ تو نرے گمان (خلاف واقع) دوڑاتے ہیں]

زمانہ کے متعلق اسلام کا موقف اس معاتبانہ انداز نے "دہر" اور "زمانہ" کے متعلق اسلام کا موقف متعین کر دیا۔ چنانچہ علماء اسلام نے شروع ہی سے "زمانہ" یا "دہر" کو ایک "غیر موثر مخلوق" بلکہ ایک "امر اعتباری" قرار دیا، جو کسی حقیقی وجود کے ساتھ متصف نہیں ہے۔ اور معاشرتی زندگی کی عملی ضرورتوں کے لئے صرف ایک پیمانہ ہے اور بس

"الوقت ما توقته للشئ" (مقالات الاسلامیین للامام الاشعری الجزء الثانی صـ ۴۴۳)۔ [وقت وہ ہے جو تم کسی بات کے لئے مقرر کر لو۔]

یا متاخرین کے لفظوں میں:

"متجدد معلوم یقدر بہ متجدد آخر موھوم"۔ (کتاب التعریفات للجرجانی)۔ [زمانہ ایک متجدد معلوم ہے جس سے دوسرے مجہول متجدد کا اندازہ لگایا جاتا ہے]

ورنہ بقول اقبالؒ: خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری نہ ہے زماں نہ مکاں لاالہ الا اللہ

غرض اسلامی فکر میں: (۱) مجادلانہ طور پر تو زمانہ کے وجود خارجی ہی سے انکار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ "شرح المواقف" میں ہے۔ "انهم اعنی متکلمین ...... انکروا ایضاً الزمان"۔ [انہوں نے یعنی متکلمین نے .... زمانہ کے وجود خارجی و حقیقی کا بھی انکار کیا ہے۔]

(۲) لیکن محققانہ طور پر زمانہ کو مخلوق (حادث) اور "غیر موثر فی العالم" مانا جاتا ہے۔ چنانچہ امام نووی نے "شرح صحیح مسلم" میں لکھا ہے:۔ "واما الدهر الذی هو الزمان فلا فعل له بل هو مخلوق من جملة خلق الله تعالیٰ۔" [رہا دہر جو زمانہ کا نام ہے، تو وہ غیر موثر ہے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔]

(۳) اور عملی طور پر وہ "توقیت" کا پیمانہ ہے۔ "متجدد معلوم یقدر بہ متجدد آخر مبهم"

(۳) حدیث لا تسبوا الدھر

زمانہ جس طرح گردش لیل و نہار کا نام ہے، اسی طرح دنیا میں شادی و غم، فراخی و تنگدستی اور عیش وصال و تلخی فراق کا چکر لگا رہتا ہے اور جس طرح وہم غلط کار دن کو رات اور رات کو دن کی علت قرار دے دیا کرتا ہے، اسی طرح "واہمہ کی مشق ہیہم" نے آلام روزگار کو زمانے ہی کے ماتھے تھوپ دیا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ زروانی عقائد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساسانیوں کے زمانہ میں جبر کا عقیدہ پیدا کرنے میں ممد ہوئے تھے کیونکہ "زروانیت" میں خدائے قدیم "زروان" نہ صرف زمان نامحدود ہی کا نام تھا، بلکہ "تقدیر" بھی وہی تھا۔ اسی طرح دیگر اقوام قدیمہ میں بھی، نتیجہ یہ نکلا کہ قدیم لٹریچر میں "شکوہ گردش روزگار" نے مسلّمات کی حیثیت حاصل کر لی۔ عرب کا لٹریچر اس سے کیوں محروم رہتا۔ اس نے بھی "ستم ہائے روزگار" کے شکووں کا دفتر کھول دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "وما یھلکنا الا الدھر" کی شان نزول میں لکھا ہے

"وکانت عادتھم اذا اصابھم مکروہ اضافوہ الی الدھر۔ فقالوا بؤسا للدھر وتبا للدھر"۔ (فتح الباری جلد ۲۰ صفحہ ۳۰)

اور عربوں کی عادت تھی کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ اس کو "دہر" کی جانب منسوب کرتے اور کہتے بُرا ہو "دہر" کا اور بربادی ہو "دہر" کے لئے۔

اسی طرح امام ابوبکر جصاص الرازی (المتوفی ۳۷۰ھ) نے لکھا ہے:-

"ان اھل الجاھلیۃ کانوا ینسبون الحوادث المجحفۃ والبلایا النازلۃ والمصائب المتلفۃ الی الدھر۔ فیقولون فعل الدھر بنا ولیسبون الدھر کما جرت عادۃ کثیر من الناس بان یقولوا اساء بنا الدھر ونحو ذلک"۔ (احکام القرآن للجصاص الرازی: المجلد الثالث صفحہ ۴۷۹)

اہل جاہلیت تباہ کن حادثوں اور مصیبتوں اور بلاؤں کو دہر کی جانب منسوب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ہمارے ساتھ دہر نے یہ کیا ہے اور زمانہ کو گالی دیا کرتے تھے جیسا کہ اکثر لوگوں کی یہ کہنے کی عادت ہوتی ہے کہ زمانہ نے ہمارے ساتھ بُرائی کی اور اس جیسے دوسرے شکوے۔

اسلام نے بڑی حد تک اس مفسدہ کی اصلاح کی (تفصیل آگے آرہی ہے)۔ پھر بھی لوگ جیسا کہ امام جصاص رازی نے لکھا ہے۔ عہد جاہلیہ کی اس "ادبی روایت" کا تتبع کرتے رہے۔ بڑے بڑے دیندار مسلمان بھی محض تفنن طبع کے لئے زمانہ اور دہر کو دو چار باتیں سنا لیا کرتے تھے۔

لیکن شکوہ سنجی روزگار میں بڑے مفاسد مضمر تھے۔ بے مہرئ روزگار اور کجروئ انجم و افلاک کی شکوہ طرازی کی عادت افراد و اقوام کو آہستہ آہستہ بے عمل بنا دیتی ہے۔ بالخصوص حوادث کائنات میں گردش افلاک کو مؤثر بالذات ماننے کا عقیدہ انسان کی قوائے عمل کو مفلوج کر دیتا ہے۔ اسلام جسے اپنے متبعین سے دنیا کی امامت کا کام لینا تھا انہیں اس کھلی ہوئی ضلالت وگمراہی میں کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ پھر اسلامی تعلیم میں، جس کا اصل الاصول "نفی غیر اللہ" کا اعلان ہے، اس الحاد کی گنجائش کہاں کہ زمانہ جیسے اصنام خیالی کو آزار رسانئ خلائق پر قادر مانا جائے۔ اس لئے اللہ کے رسولؐ نے اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"یقول اللہ تعالیٰ یوذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنہار" [اللہ رب العزة فرماتا ہے کہ آدمی زمانہ کو گالی دے کر مجھے اذیّت پہنچاتا ہے، حالانکہ میں ہی منقلّب دہر ہوں۔ میرے ہی قبضۂ قدرت میں اختیار و تصرف ہے۔ میں ہی لیل و نہار کو الٹ پھیر کرتا ہوں۔]

یہ تھا اس "ارشادِ نبوت" کا منشاء و مفہوم۔ محققین نے اس کا کیا مطلب سمجھا، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے مگر بعد کے مصلحین ملت نے حدیث کے ٹکڑے "وانا الدھر" سے عجب عجب اعجوبہ تراشیاں فرمائیں۔ انھوں نے زمانہ ہی کو خدا بنا دیا۔ "DO NOT VILIFY TIME FOR TIME IS GOD" حالانکہ سیاق عبارت اور عربی زبان کے عام قواعد اس قسم کی "معنی آفرینیوں" کی کسی طرح بھی اجازت نہیں دیتے۔

حدیث لاتسبوا الدھر قواعدِ کلام عرب کی روشنی میں

اس لسانی تنقید کا ماحصل یہ ہے:-

اولاً:- یہ حدیث مختلف متون کے ساتھ مروی ہے۔ ایک حدیث میں "وانا الدھر" ہے۔ دوسری میں "فانی انا الدھر" ہے اور یہی دونوں متن اصل حدیث ہیں۔ تیسرا متن جس میں "فان اللہ ھو الدھر" منقول ہے، وہ حسب تصریح محققین غلط ہے اور غیر محتاط روایت بالمعنی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاص الرازی نے اس حدیث کے دوسرے متن "ان اللہ یقول لا یقولن احدکم یا خیبة الدھر فانی انا الدھر اُقلب لیلہ و نہارہ" کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:-

"فھذان ھما اصل الحدیث فی ذلک والمعنیٰ ما ذکرنا وانما غلط لبعض الرواة فنقل المعنیٰ عندہ فقال: لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر"۔ (احکام القرآن للجصاص الرازی المجلد الثالث صفحہ ۴۷۹)

پس اس باب میں حدیث کی یہی دو اصل ہیں اور ان کے معنی وہی ہیں جو ہم نے ذکر کئے اور بعض راویوں نے غلطی کی جو معنی معہود کو غلط نقل کر کے روایت بیان کی اور کہا کہ لاتسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر۔

ثانیاً:- روایاتِ مشہورہ میں "انا الدھر" کے اندر "دھر" کا اعراب مختلف فیہ ہے۔ محققین اس کے "نصب" (ر کے زبر) کے قائل ہیں۔ چنانچہ فقہاء میں سے امام ابوبکر جصاص الرازی میں لکھتے ہیں:-

"فقولہ انا الدھر منصوب بانہ ظرف للفعل کقولہ تعالیٰ انا ابداً بیدی الامر اُقلّب اللیل والنہار وکقول القائل انا الیوم بیدی الامر افعل کذا وکذا۔ ولو کان مرفوعاً کان الدھر اسماً

پس قول نبویؐ "انا الدھر" میں "دھر" منصوب (بفتحہ ر) ہے کیونکہ یہ ظرف فعل ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا قول "انا ابداً" میں ہمیشہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ ہے، میں ہی دن رات کو الٹ پھیر کرتا ہوں۔ یا جس طرح کہنے والے کا قول "انا الیوم" آج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لله تعالیٰ ولیس کذلک لان احداً من المسلمین لا یسمی اللہ بھذا الاسم۔" (احکام القرآن: المجلد الثالث صفحہ ۴۷۹)

میں ہی ہوں۔ میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ ہے، ایسا اور ایسا کروں گا۔ اور اگر "دہر" مرفوع (بضمۂ ر) ہوتا تو یہ اسمائے باری میں سے ہوتا، مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو اس نام سے موسوم نہیں کرتا۔

اسی طرح محدثین میں سے محمد بن داؤد ظاہری "الدھر" کے رَ کو مفتوح پڑھتے تھے۔ شنقیطی نے ان کا قول نقل کیا ہے۔

"وکذلک قال محمد بن داؤد محتجاً لما ذھب الیہ انہ بفتح الراء۔ فکان یقول لو کان بضمھا لکان الدھر من اسماء اللہ تعالیٰ۔" (استحالۃ المعیۃ بالذات صفحہ ۳۴۵)

اسی طرح محمد بن داؤد نے اپنے مسلک کی حجت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ "دہر" رَ کے زبر کے ساتھ ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر رَ کو پیش ہوتا تو "دہر" اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہوتا۔

امام نووی نے "شرح صحیح مسلم" میں اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

قولہ عزوجل وانا الدھر فانہ برفع الراء ھذا ھو الصواب المعروف الذی قالہ الشافعی والو عبید وجماھیر المتقدمین والمتاخرین وقال ابوبکر ومحمد بن داؤد الاصبھانی الظاھری انما ھو الدھر بالنصب علی الظرف ای انا مدۃ الدھر اُقلب لیلہ ونھارہ۔ وحکی ابن عبد البر ھذہ الروایۃ عن بعض اھل العلم وقال النحاس یجوز النصب ای فان اللہ باقٍ مقیم ابداً لا یزول۔ قال القاضی قال بعضھم ھو النصب علی التخصیص قال والظرف اصح واصوب۔ واما روایۃ الرفع فموافقۃ لقولہ فان اللہ ھو الدھر۔" (امام نووی: شرح صحیح مسلم جلد ثانی صفحہ ۲۴۷)

اللہ عزوجل کا قول "انا الدھر" رَ کے پیش کے ساتھ ہے اور یہی صحیح اور مشہور ہے۔ اسی کے قائل امام شافعی، ابو عبید اور جمہور محدثین متقدمین و متاخرین ہیں۔ مگر ابوبکر بن جصاص الرازی اور محمد ابن داؤد اصفہانی کا کہنا ہے کہ وہ "دہر" زبر کے ساتھ ہے بر سبیل ظرفیت۔ یعنی "میں ہمیشہ ہمیشہ ہوں، اس کے رات دن کو گردش دیتا ہوں"۔ ابن عبد البر نے اس روایت کو بعض اہل علم سے نقل کیا ہے۔ نحاس کا کہنا ہے کہ یہاں نصب (زبر) بھی جائز ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ قاضی کا کہنا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے یہاں نصب بروجہ تخصیص ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ ظرف کا ماننا ہی زیادہ صحیح اور مناسب ہے۔ رہی پیش والی روایت تو وہ اس وجہ سے ہے کہ "فان اللہ ھو الدھر" والی روایت سے موافقت ہو جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے ظاہر ہے کہ "دہر" کا ظرف زیادہ صحیح ہے۔ رہی رفع والی قرأت تو وہ "فان اللہ ھو الدھر" کے ساتھ تطبیق میں ممد ہے۔ لیکن امام ابوبکر جصاص الرازی کی تصریح اوپر مذکور ہو چکی ہے کہ یہ غیر محتاط روایت بالمعنی کا نتیجہ ہے اور اسی لئے رواۃ نے اس کے نقل معنی میں غلطی کی ہے: "وانما غلط بعض الرواۃ فنقل المعنی عندہ"۔ بہر حال محققین کے نزدیک "دھر" لفظ "اللہ" کی خبر نہیں ہے کہ دونوں میں عینیت کا شبہ پیدا ہو، بلکہ ظرف ہے اور معنی وہی ہیں جو امام ابوبکر جصاص الرازی نے فرمائے ہیں کہ "ہمیشہ رہنے والا ہوں"۔

ثالثاً:۔ جمہور محدثین جو "رفع" کے قائل ہیں اور "الدھر" کی رَ کو مضموم (پیش کے ساتھ) پڑھتے ہیں، ان کے نزدیک بھی یہ "حذف مضاف" کے قبیل سے ہے جو قرآن اور اسی طرح کلام عرب کا عام اسلوب بیان ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے:۔ "واسئل القریۃ"۔ حالانکہ گاؤں (قریہ) ایک بے جان چیز ہے، اس سے "پوچھنا" کیا معنی۔ بلکہ مراد "اھل القریۃ" ہے۔ (یعنی گاؤں کے باشندوں سے پوچھو)۔ مضاف کو حذف کر کے اس کا اعراب مضاف الیہ کو دے دیا جاتا ہے۔ اسی اصول پر اس حدیث میں مضاف محذوف ہے جو "صاحب" یا "مقلّب" یا اس قسم کا اور کوئی لفظ ہے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے امام خطابی (المتوفی ۳۸۷ھ) سے "وانا الدھر" کے معنی میں نقل کیا ہے:۔

"قال الخطابی معناہ انا صاحب الدھر ومدبر الامور التی ینسبونھا الی الدھر"۔	امام خطابی نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں "میں دہر کا مالک ہوں اور ان امور کی تدبیر کرنے والا ہوں جسے یہ لوگ دہر کی طرف منسوب کرتے ہیں"۔

رابعاً:۔ امام راغب اصفہانی نے جو "مفردات قرآن" کے باب میں سند سمجھے جاتے ہیں، بعض اہل لغت کا قول نقل کیا ہے کہ "لیسب الدھر" کا "دھر" "انا الدھر" کے دہر سے مختلف ہے۔ پہلے سے مراد "زمانہ" اور دوسرے سے "زمانہ کا لوٹانے والا" چنانچہ شنقیطی نے لکھا ہے:۔

"فقد حکی الراغب ان الدھر فی قولہ ان اللہ ھو الدھر غیر الدھر فی قولہ لیسب الدھر والدھر الاول الزمان والثانی المدبر المصرف لما یحدث"۔ (استحالۃ المعیۃ بالذات صفحہ ۲۴۵)	پس امام راغب نے بیان کیا ہے کہ وہ "دہر" جو قول نبوی "ان اللہ ھو الدھر" میں واقع ہے، اس دہر سے جو دوسرے قول "لیسب الدھر" میں آیا ہے، مختلف ہے۔ پہلے دہر (لیسب الدھر) کے معنی زمان کے ہیں اور دوسرے دہر (ان اللہ ھو الدھر) کے معنی ہیں حوادث کی تدبیر کرنے والا اور ان میں تصرف کرنے والا یا انہیں گھمانے والا۔

خامساً:۔ علی سبیل التنزل فرض کر لیجئے کہ "انا الدھر" میں "انا" مبتدا اور "دھر" خبر ہے اور معنی ہیں کہ "اللہ دہر ہے" یا "دہر اللہ ہے" تو اللہ رب العزۃ کے قول اور اس کے رسولؐ پاک کے قول میں ناقابل حل تناقض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر "دہر اللہ ہے" اور اللہ تعالیٰ حسب تصریح قرآن، زندہ کرنے والا اور ہلاک کرنے والا ہے (ھو یحیی و یمیت) تو پھر مشرکین عرب کے قول پر کہ "ومایھلکنا الا الدھر" قرآن کے گرفت اور سرزنش کرنے کا کہ "وما لھم بذالک من علم ان ھم الا یظنون" کیا محل ہو سکتا ہے۔

سادساً :۔ اس تفریق بین اللہ و رسولہ سے بھی قطع نظر کیجئے تو "انا الدھر" میں "انا" اور "دھر" کو بغیر تقدیر حذف مضاف، مبتدا اور خبر ماننے میں حدیث کا نظم درہم برہم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے :۔

"میں دہر ہوں، میرے ہی ہاتھ میں امر ہے اور میں ہی اپنے کو (لیل و نہار کو) الٹ پھیر کرتا ہوں"۔

اس لئے کہ "سلسلہ روز و شب" دہر ہی کا دوسرا نام ہے۔ لیکن یہ ایسا عجیب اسلوب بیان ہے، جسے کوئی ہوش مند انسان اختیار نہیں کر سکتا۔ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو اس سے کہیں بلند ہے۔ چنانچہ شنقیطی نے بعض محققین علماء حدیث کا قول نقل کیا ہے :۔

وکفی فی الرد علیھم فی بقیۃ الحدیث انا الدھر اُقلب لیلہ ونھارہ فکیف یقلب الشئ نفسہ تعالی اللہ عن قولھم علواً کبیراً۔" (استحالۃ المعیۃ بالذات صفحہ ۳۴۶)

اور اس قسم کے شک کرنے والوں کی تردید کے لئے باقی حدیث کافی ہے۔ (کیونکہ اس صورت میں معنیٰ ہوں گے) میں دہر ہوں اور دہر کے لیل و نہار کو اُلٹ پھیر کرتا ہوں۔ بھلا کوئی چیز خود کو کس طرح الٹ پھیر کر سکتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان لوگوں کی ہفوات سے کہیں زیادہ

پس ارشاد نبوی "لاتسبوا الدھر" کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ ان حوادث کے فاعل کو برا مت کہو، کیونکہ ان کا حقیقی فاعل اور پیدا کنندہ صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ امام جصاص الرازی فرماتے ہیں :۔

"فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لاتسبوا فاعل ھذہ الامور فان اللہ ھو فاعلھا ومحدثھا۔" (احکام القرآن، المجلد الثالث صفحہ ۴۷۹)

پس جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : ان امور کے فاعل کو گالی مت دو۔ کیونکہ ان کا کرنے والا اور پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی تو ہے۔

اسی طرح "انا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار" کے معنی ہیں : میں ہمیشہ رہنے والا اور بقائے ابدی کے ساتھ متصف ہوں (حالانکہ زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ بلکہ) میں ہی لیل و نہار (زمانہ) کو الٹ پھیر کرتا ہوں [پس عجب نادان ہو کہ ہمیشہ رہنے والے الحی والقیوم کو بھول کر زمانہ کو جو خود گردش کے لئے مجبور ہے، حوادث کائنات پر متصرف اور ایذا رسانیِ خلق پر قادر مانتے ہو۔] یہی توجیہ امام جصاص رازی نے کی ہے (تفصیل آگے آ رہی ہے)

یہ ایک مفسر و فقیہ کی رائے تھی۔ محدثین کا قول مختار امام نووی نے "شرح صحیح مسلم" میں بیان کیا ہے :۔

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لاتسبوا الدھر فانہ ... جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : لاتسبوا الدھر فان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ ھوالدھر ای لاتسبوا فاعل النوازل فانکم اذا سببتم فاعلھا وقع السب علی اللہ تعالیٰ لانہ فاعلھا ومنزلھا۔ واما الدھر الذی ھوالزمان فلافعل لہ بل ھو مخلوق من جملۃ خلق اللہ تعالیٰ ومعنی فان اللہ ھو الدھر ای فاعل النوازل والحوادث و خالق الکائنات۔" (شرح صحیح المسلم جلد ثانی صفحہ ۲۳۷)

اللہ ھوالدھر یعنی ان مصیبتوں کے فاعل کو گالی مت دو، کیونکہ جب تم ان کے فاعل کو گالی دوگے تو وہ گالی اللہ تعالیٰ پر پڑے گی، کیونکہ وہی ان کا کرنے والا اور نازل کرنے والا ہے۔ رہا "دہر" جو زمانہ ہے تو اس کا کوئی فعل نہیں ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ اور "فان اللہ ھوالدھر" کے معنی ہیں ان مصیبتوں اور حادثوں کا فاعل اور کائنات کا خالق اللہ ہی ہے۔

غرض اسلامی تعلیم کی رو سے زمانہ ایک غیر مؤثر امر ہے، جس کا حوادث کائنات اور ان کے خوب و ناخوب میں کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ صرف خلّاق کائنات کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔

ایک سوال اور اُس کا جواب

یہاں فطرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ اور حدیث نبوی کے معنی اس قدر واضح اور مبین ہیں تو پھر "الدھر" اور "انا الدھر" کے مفہوم میں اتنی قیل و قال کیوں؟ اور پھر "فان اللہ ھوالدھر" کا کیا مطلب ہے؟ اس کے لئے ہمیں اسلام کی فکری تاریخ کے ان "زیر سطحی" دھاروں پر نظر ڈالنا ہوگی، جو اسلامی سماج میں جاری تھے۔ لوگوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے لئے انھوں نے اپنے پچھلے مذہب کی "بنیادی تعلیمات" کو خیرباد کہا اور اسلام کی اصولی تعلیمات کو اختیار کیا۔ لیکن قدیم مذہب کی جزئیات غیر ارادی طور پر تحت الشعور میں پڑی رہ گئیں اور نئے دین کی جزئیات حاصل کرنے کی فرصت نہیں ملی جو جزئی مسائل منقح ہو جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں اسلامی تعلیمات میں سے کوئی چیز ایسی ملی جو ان کے قدیم خیالات سے کچھ بھی مناسبت رکھتی تھی، وہیں نفسیاتی طور پر ان کا تحت الشعور جاگ اٹھا اور پرانے خیالات کے مطابق نئی تعلیم کی تعبیر کر ڈالی۔

مثلاً راوی اوّل نے حدیث کے اس ٹکڑے "وانا الدھر" کو بفتح را (علی سبیل الظرفیۃ) یا بضم را (علی تقدیر حذف مضاف) روایت کیا۔ بعد کے کسی راوی نے جس کے ذہن میں زمانہ کی متالہانہ عظمت غیر شعوری طور پر پڑی ہوئی تھی "انا" اور "دہر" کو مبتدا اور خبر سمجھ لیا اور چونکہ "روایت بالمعنی" شائع ہو ہی چکی تھی، اسے غیر شعوری طور پر زیادہ مؤکّد بنانے کے لئے "ان اللہ ھوالدھر" سے تعبیر کر ڈالا۔ اسی بنا پر امام جصاص الرازی نے "احکام القرآن" میں لکھا ہے:

"وانما غلط بعض الرواۃ فقال لاتسبوا الدھر فان اللہ ھوالدھر۔"

(مسلسل)

© rasailojaraid.com